83

اقبال

اور

ابوالکلام آزاد

پروفیسر عبدالقوی دسنوی

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved

84

"یہ خیال کرتے ہوئے کس قدر صدمہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اس جہان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ ہندوستان آپ سے بڑا اردو شاعر پیدا نہیں کر سکا۔ آپ کی وفات سے نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرق کو نقصانِ عظیم پہنچا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس لیے زیادہ صدمہ ہے کہ مرحوم سے میرے دوستانہ تعلقات تھے۔"

مولانا ابوالکلام آزاد

انیسویں صدی کے آخری ربع میں تین عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے زبان و ادب ملک و ملت اور دین برحق کی نمایاں خدمت انجام دینے میں اپنی زندگیاں لگا دیں یعنی:

۱۔ علامہ اقبال جو ۱۸۷۳ء میں سیالکوٹ،

۲۔ علامہ سید سلیمان ندوی جو ۱۸۸۴ء میں دسنہ اور

۳۔ مولانا ابو الکلام آزاد جو ۱۸۸۸ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔

ان تینوں کے والدین صرف سادہ مزاج اور درویش صفت ہی نہیں تھے ان پر مذہب کا بھی گہرا رنگ تھا جس کی وجہ سے ان کی پرورش مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔

جب تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو علامہ اقبال کے حصے میں مغربی تعلیم آئی۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی ابتدائی تعلیم مدرسوں میں ہوئی اور آخر کار دار العلوم ندوہ سے فارغ التحصیل ہو کر ندوی کہلائے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین مدرسوں کی تعلیم تک کو اس وجہ سے پسند نہیں کرتے تھے کہ وہاں کی تعلیم سے بھی باہر کی ہوا لگ سکتی ہے، چنانچہ مولانا آزاد کی تعلیم گھر پر ہوئی اور تکمیل تک پہنچی۔

ان تینوں کے درمیان علامہ سید سلیمان ندوی کی شخصیت اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ علامہ اقبال کے "مخدوم محترم" اور مولانا آزاد کے دیرینہ "صدیق العزیز" تھے۔ البتہ علامہ اقبال اور مولانا آزاد، ایک دوسرے کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے اور صلاحیتوں کے معترف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved

اتنے قریب نہ تھے جتنے سید سلیمان اور آزاد یا سید سلیمان اور اقبال تھے۔

آج میری اس تحریر میں ان ہی دو عظیم المرتبت ہستیوں یعنی علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے درمیان رشتوں اور تعلقات کا پتہ چلایا جا رہا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اپنے وقت کے یہ جلیل القدر بزرگ ایک دوسرے کے کس حد تک حلیف یا حریف تھے اور اس کا پس منظر اور اسباب کیا تھے؟

تعلیمی میدان سے ہٹ کر اگر دونوں بزرگوں کی دلچسپیوں پر نظر رکھی جائے اور ان کے علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، صحافتی، مذہبی اور ملکی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ دونوں شاعر تھے، سیاست داں تھے، مفکر تھے، اسلام پرست تھے، وطن دوست تھے، قوم کے بہی خواہ تھے، انسانیت کے علمبردار تھے اور عالمی سطح پر انسانوں کی بھلائی چاہتے تھے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ علامہ اقبال نے ۱۸۹۲ء سے یعنی انیس سال کی عمر سے شاعری شروع کی اور ساری عمر کے لیے اسی کے ہو رہے۔ مولانا آزاد بارہ سال کی عمر میں وادیٔ شاعری میں داخل ہوئے اور سولہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اس سے تقریباً بے تعلق ہو گئے اور صحافت کی راہ سے سیاست کی طرف تیز رفتاری سے بڑھنے لگے تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۵ء میں جبکہ ان کی عمر ابھی بیس سال کی تھی، شیام سندر چکرورتی کی انقلابی پارٹی سے نہ صرف تعلق پیدا کر لیا تھا بلکہ اس سے عملی رشتہ بھی جوڑ لیا۔ اسی ۱۹۰۸ء میں چند ماہ کے لیے مسلم ممالک کا سفر بھی کیا تھا اور وہاں کے "ینگ ٹرکس" اور دوسرے انقلابی خیالات کے نوجوانوں سے مل کر ایک نئی توانائی حاصل کی تھی اور ہندوستان واپس آ کر ایک بار پھر زور و شور سے سیاسی کاموں میں عملی دلچسپی لینے لگے تھے۔ پھر ایک بھرپور سیاسی اور معیاری ہفتہ وار نکالنے کی تیاری کرنے لگے اور ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو اپنی خواہش کے مطابق ہفتہ وار الہلال نکالنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ان کی آتش نوائی کی وجہ سے انگریز حکمراں بڑے پریشان ہوئے اور ان کی ضمانت ضبط کر لی گئی۔ لہٰذا ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو الہلال بند ہو گیا لیکن مولانا آزاد بڑی ہمت اور حوصلہ کے مالک تھے۔ جلد ہی ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو الہلال، البلاغ کے نام سے نکالنا شروع کر دیا۔ اُدھر حکومت کی کڑی نگاہیں مولانا پر جمی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو انہیں بنگال چھوڑ دینے کا حکم دے دیا گیا۔ مولانا آزاد کلکتہ چھوڑ کر رانچی کے لیے روانہ ہو گئے جہاں ۸ جولائی ۱۹۱۶ء کو نظر بندی کے احکام جاری ہوئے۔

تقریباً ساڑھے تین سال بعد مولانا کو ۲۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اس پہلی نظر بندی سے رہائی ملی۔ الہلال اور

Iqbal Cyber Library All rights reserved 2002-2006

الہلال کی اشاعت اور اس پہلی نظربندی نے مولانا آزاد کے سیاسی شعور کو اور زیادہ پختہ کر دیا اور اب وہ عملی سیاست میں حصہ لینے کے لیے اپنے آپ میں اور زیادہ ہمت اور حوصلہ پانے لگے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں انہوں نے کانگریس کی رکنیت اختیار کی اور ۱۹۲۳ء میں آل انڈیا کانگریس کی دہلی میں ۳۵ سال کی عمر میں صدارت کی جس میں انہوں نے اعلان کیا:

"...... ہندوستان کے لیے آج صرف تین راہیں ہیں: یا موجودہ حالت پر قانع رہے یا مسلح انقلاب کرے یا نون کوآپریشن پر عمل کرے۔ ہم موجودہ حالت پر قانع نہیں رہ سکتے۔ ہم مسلح انقلاب نہیں کر سکتے اور نہ کرنا چاہتے ہیں۔ پس ہمارے لیے صرف تیسری راہ رہ جاتی ہے اور وہ نون کوآپریشن ہے۔"

اور اسی ۱۹۲۳ء میں علامہ اقبال نے حکومت کے 'سر' کے خطاب سے نوازا جانا قبول کر لیا۔ اس پہ ان کے ایک قدر دان عبدالمجید سالک یہ کہے بغیر نہ رہ سکے:

سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

تاہم یہ بھی سچ ہے کہ عبدالمجید سالک کو اپنی اس بات پر ندامت بھی ہوئی تھی۔ علامہ اقبال نے اس سلسلے میں غلام بھیک نیرنگ کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

"قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی طاقت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔"

مولانا ابوالکلام آزاد کو اس نظربندی کے بعد مزید پانچ مرتبہ قید و بند کی اذیت سے گزرنا پڑا۔ اس طرح وہ مجموعی طور پر ساڑھے دس سال تک نظربندی اور قید کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے جس کی دوسری مثال پاک و ہند میں شاید ہی مل سکے۔

۱۹۴۰ء میں مولانا آزاد آل انڈیا کانگریس کے صدر ہوئے۔ ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء تک وہ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اس طرح مولانا کی پوری زندگی پر ان کی عملی سیاست حاوی رہی اور وہ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں خالص سیاست داں بن کر جیتے رہے ـــــ لیکن علامہ اقبال کی سیاسی زندگی نہ عملی بن سکی نہ ان کی شاعری پہ حاوی ہو سکی بلکہ ان کی زندگی پر ان کی شاعری چھائی رہی اور وہی ان کی پہچان

بھی رہی۔ بلاشبہ مولانا آزاد کے مقابلہ میں سیاست سے اقبال کا تعلق محدود اور نظری رہا۔ وہ مفکر تھے، فلسفی تھے، عالمِ دین تھے، محبِ وطن تھے، شاعرِ مشرق تھے لیکن عملی سیاستدان نہ تھے۔

انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے انسانی فکر کے مختلف دروازے کھولے۔ عظمتِ انسان کے رازہائے سربستہ کو فاش کرنے کی کوشش کی، مردِ مومن سے روشناس کرایا، تعصب سے نفرت دلائی اور وطن سے محبت کا نغمہ الاپا نیز مغرب کی اس وطنیت سے خبردار کیا جس کی ضرب سے دنیا مجروح اور انسان لہولہان ہو رہا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے صدارتی خطبات ستمبر ۱۹۲۳ء دہلی و مارچ ۱۹۴۰ء رام گڑھ سے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں جو مولانا آزاد اور اقبال کے ذہنی اور فکری رشتے کو سمجھنے میں معاونت کرتے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں:

> "آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دے کہ سوراج ۲۴ گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد سے دستبردار ہو جائے تو میں سوراج سے دست بردار ہو جاؤں گا مگر اس سے دستبردار نہ ہوں گا کیونکہ اگر سوراج کے ملنے میں تاخیر ہوئی تو ہندوستان کا نقصان ہو گا لیکن اگر ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالمِ انسانیت کا نقصان ہو گا۔"[۱۶]

اور اپنے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی ہونے پر اس طرح فخر کرتے ہیں:

> "میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے لیکن ان تمام احساسات

کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی
کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے۔ اسلام کی روح مجھے اس سے
نہیں روکتی، اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ
محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔"

اور

"جس طرح آج ایک ہندو فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندوستانی
ہے اور ہندو مذہب کا پیرو ہے ٹھیک اسی طرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں
کہ ہم ہندوستانی ہیں اور مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔"

اقبال اور مولانا آزاد کی تحریروں کے مطالعے کے دوران میں اکثر مقامات ایسے آتے ہیں جہاں محسوس ہوتا ہے کہ "اقبال اور آزاد" دوری کے باوجود ایک دوسرے کے بہت قریب تھے، البتہ سیاسی سفر میں دونوں کے خیالات میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے کہ اقبال کے طویل سیاسی سفر کو اگر مان بھی لیا جائے تو بھی وہ مولانا آزاد کے مقابلہ میں بہت مختصر اور محدود ہے۔ اقبال سیاسی شعور کے مالک ضرور تھے لیکن وہ عملی سیاست سے ہمیشہ دور رہے۔ جلسوں کی صدارت کرنا یا وقتی بیانات دینا الگ بات ہے۔ مولانا آزاد کی سیاسی زندگی تقریباً نصف صدی پر محیط ہے جو بھرپور ہے، بے داغ ہے اور قابلِ فخر ہے اور وہی ان کی ساری زندگی کا حاصل ہے۔ اقبال کی زندگی کا حاصل ان کی شاعری ہے، سیاست نہیں۔

دونوں ذہنی اور فکری اعتبار سے اس قدر قریب اور ہم عصر ہونے کی وجہ سے یہ جاننے کی خواہش ضرور ہوتی ہے کہ دونوں کے آپس میں کس طرح کے تعلقات تھے جس کے لیے ہمیں ان کے خطوط کا مطالعہ کرنا، ان کے بیانات کو سمجھنا اور ان کی ملاقاتوں سے آگاہ ہونا پڑے گا۔

جہاں تک دونوں کی ملاقاتوں کا تعلق ہے، پہلی ملاقات انجمن حمایتِ اسلام لاہور اپریل ۱۹۰۴ء کے جلسہ میں ہوئی تھی جس میں مولانا الطاف حسین حالی، ڈاکٹر نذیر احمد، مرزا ارشد گورگانی، میاں سر محمد شفیع، سر عبدالقادر، میاں سر فضل حسین، سلیم پانی پتی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر محمد اقبال اور خواجہ حسن نظامی شریک ہوئے تھے۔

اس جلسہ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ جب کسی کو کسی کا کوئی شعر پسند آتا تو وہ داد، نقد عطیہ کی صورت میں انجمن کو دیتا۔ کسی شاعر کا ایک شعر مولانا الطاف حسین حالی نے بھی پسند کرتے ہوئے انجمن کو دس روپے

دیے تھے۔ محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں کہ اس وقت،

"۔۔۔۔۔۔۔ سارا میدان نعرہ ہائے تحسین سے گونج اٹھا۔ شاعر کی اس سے زیادہ ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی کہ خود خدائے سخن حالی اس کے کلام کی داد دے"

اس موقع پر مولانا حالی کو ضعیفی کی وجہ سے کلام پڑھنے میں دقت پیش آ رہی تھی، اس لیے پہلے انھوں نے اپنا کلام سامعین کے اصرار پر سنایا پھر علامہ اقبال نے ان کا کلام ایک خاص انداز سے پیش کیا لیکن کلام سنانے سے پہلے مولانا حالی سے متعلق ایک رباعی بھی اسی وقت کہہ کر پیش کی ہے

مشہور ہے زمانے میں نام حالی
معمور مئے حق سے ہے جام حالی
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلام حالی

اس جلسہ کی روداد مولانا ابوالکلام آزاد نے لسان الصدق کلکتہ مئی ۱۹۰۴ء میں شائع کی ہے لیکن حیرت ہے کہ اس میں انھوں نے علامہ اقبال کے اس واقعہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ جلسہ کے متعلق انھوں نے صرف اس قدر لکھا:

"اس سال انجمن کے سالانہ جلسے میں ہمیں بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا جبکہ عام خیال ہے کہ یہ جلسہ پچھلے سال کے جلسوں سے اکثر باتوں میں فوقیت رکھتا تھا۔ مجمع کے لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کانفرنس اور ندوۃ العلماء کے ہال بھی اتنے لوگوں کو نہیں سمیٹ سکتے۔ گو یہ سچ ہے کہ حمایت اسلام ایک عام جلسہ ہے اور کانفرنس وغیرہ میں صرف ممبر شریک ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا پُر لطف لکچر ہمارے مکرم دوست مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی کا عالمانہ مضمون، حضرت حالی کی پُر درد نظم، یہ ایسی چیزیں ہیں جو کانفرنس کا اصل عنصر اور روحِ رواں سمجھی جاتی ہیں لیکن اب انجمن حمایت اسلام نے اپنے غلغلۂ ترقی سے تمام عناصر جمع کر لیے ہیں اور اُن کی مجموعی حالت نے جو

صورت قائم کردی ہے وہ دلکشی و دلچسپی میں کسی سے کم نہیں ہے۔
غرض ہم انجمن کے پُر لطف جلسہ میں شریک ہوئے اور اچھے اثرات
لے کر وہاں سے واپس ہوئے۔[۹]

یہ اقبال سے ابوالکلام آزاد کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے علاوہ چند ملاقاتوں کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ بھی نہایت سرسری ہیں جن سے دونوں کے تعلقات پر کوئی خاص روشنی نہیں پڑتی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا ہفتہ وار "الہلال" کلکتہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو نہایت شان کے ساتھ طبع ہو کر منظرِ عام پر آیا تو اس کی شہرت متحدہ ہندوستان میں دور دور تک پہنچی۔ اس کی مقبولیت کا یہ حال تھا کہ شائقین اس کی آمد کا ہفتہ بھر نہایت بے چینی سے انتظار کرتے تھے اور بڑے شوق سے اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ اردو کے کسی ہفتہ وار کو اتنی مقبولیت شاید ہی حاصل ہوئی ہو لیکن جہاں تک مجھے علم ہے اس "ہفتہ وار" میں علامہ اقبال کی کوئی چیز شائع نہیں ہوئی، نہ علامہ اقبال کے افکار و خیالات سے متعلق مولانا کی کوئی تحریر اس میں جگہ پا سکی۔ حد تو یہ ہے کہ اقبال کے خطوط یا دوسری تحریروں میں بھی الہلال کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ "الہلال" کی توسیع اشاعت کے سلسلے میں جن لوگوں نے تعاون کا ہاتھ بڑھایا تھا، ان ناموں کی فہرست میں علامہ اقبال کا نام بھی ۹۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء کے "الہلال" میں شائع ہوا ہے اس لیے کہ علامہ نے "الہلال" کے دس خریدار بنائے تھے۔ اس اطلاع سے "الہلال" سے علامہ کے تعلق اور اسے پسند کرنے کا علم ہوتا ہے۔[۱۰]

الہلال کے بند ہونے کے بعد جب مولانا آزاد نے اسی مزاج اور معیار کا ایک ہفتہ وار "البلاغ" جاری کیا تو اس کے پہلے شمارے ۱۲۔ نومبر ۱۹۱۵ء کے پہلے صفحے پر "ادبیات" کے تحت علامہ اقبال کی نظم "عرفی"، "نوا را تلخ تری زن چو ذوق نغمہ کم یابی" کے عنوان سے شائع ہوئی لیکن اس کے بعد اس کے کسی شمارہ میں کسی ورق پر، کسی سطر میں علامہ اقبال کی تحریر یا کسی سلسلے میں ان کا نام پڑھنے کو نہیں ملتا ــــــ "الہلال" ثانی، ۱۹۲۷ء میں بھی اسی تجربے سے گزرنا پڑتا ہے۔

جہاں تک خطوط کا تعلق ہے، علامہ اقبال کے پانچ خط علامہ سید سلیمان ندوی کے نام، ایک خط عشرت رحمانی کے نام اور ایک خط سید محمد سعید الدین جعفری کے نام ایسے ہیں جن میں مولانا آزاد کا ذکر ملتا ہے۔ ایک خط مولانا آزاد کا بھی اقبال کے سلسلے میں سید سلیمان ندوی کے نام ہے۔ یہ خطوط ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۶ء تک کے زمانے پر محیط ہیں جن کے مطالعے سے ایک دوسرے کے تعلق کا سرسری سا علم ہوتا

ہے ، اقتباسات ملاحظہ کیجیے :

لاہور ۲۸ ۔ اپریل ۱۹۱۸ء — بنام علامہ سید سلیمان ندوی

"والا نامہ ابھی ملا ہے ۔ "رموزِ بے خودی" میں نے آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی ۔ ریویو کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔"

"آج مولانا ابوالکلام آزاد کا خط آیا ہے ۔ انھوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ۔"[۵]

لاہور ۳ ۔ اپریل ۱۹۱۹ء — بنام سید سلیمان ندوی

"والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ الحمدللہ کہ مولانا آزاد کو آزادی ملی[۶] . . . .

۱۹۱۹ء کے آخری حصے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب "تذکرہ" شائع ہوئی تھی جس کے مقدمے میں علامہ اقبال کی نسبت مولوی فضل الدین احمد نے لکھا ہے :

"تعلیم یافتہ جماعت میں خدائے قوم مسٹر محمد علی اور مسٹر شوکت علی خاں اور ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر اقبال کا ذکر کر دینا کافی ہے ۔ ان دونوں اسلام پرستوں کو مذہب کی راہ اسی نے دکھلائی اور بتدریج اپنے رنگ میں یک قلم رنگ دیا ورنہ ہم لوگوں کو وہ زمانہ بھی اچھی طرح یاد ہے جب نیا نیا "الہلال" نکلا تھا اور مسلم یونیورسٹی کے متعلق مسٹر محمد علی نے اس کی مخالفت میں مضامین لکھے تھے ۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہی "الہلال" والی صدا یونیورسٹی کے متعلق انھوں نے بھی بلند کی ۔ مسٹر شوکت علی کا تو اس بارے میں عجیب حال ہے ۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ "ابوالکلام نے ہم کو ایمان کا راستہ بتلا دیا" — ڈاکٹر اقبال کا مذہبی عقاید میں پچھلا حال جو کچھ سنا ہے اس کے مقابلہ میں اب ان کی فارسی مثنویاں دیکھتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے "اسرارِ خودی" اور "رموزِ بے خودی" فی الحقیقت "الہلال" ہی کی

صدائے بازگشت ہے۔[۱۱۵]

علامہ اقبال کی نظر جب مقدمے کے اس حصے پر پڑی تو انہوں نے دس نومبر ۱۹۱۹ء کو علامہ سید سلیمان ندوی کو شکایتاً لکھا:

"مولانا ابوالکلام آزاد کا تذکرہ آپ کی نظر سے گزرا ہو گا۔ بہت دلچسپ کتاب ہے مگر دیباچہ میں مولوی فضل الدین احمد لکھتے ہیں:

'اقبال کی مثنویاں تحریک "الہلال" ہی کی آواز بازگشت ہیں'۔

شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کیے ہیں، ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں۔ اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریریں، نظم و نثر انگریزی و اردو موجود ہیں جو غالباً مولوی صاحب کے پیش نظر نہ تھیں۔ بہرحال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا، مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ نام آوری البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ ان کے خیال میں اقبال تحریک "الہلال" سے پہلے مسلمان نہ تھا، تحریک الہلال نے اسے مسلمان کیا۔ ان کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے، ممکن ہے ان کا مقصود یہ نہ ہو"۔

اور آگے یہ بھی تحریر کیا ہے:

"میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

'اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سنے گئے ان میں اور مثنویوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے'۔

معلوم نہیں انہوں نے کیا سنا تھا اور سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے ایسا جملہ لکھا جس کے کئی معنی ہو سکتے ہوں، کسی طرح ان لوگوں کے شایان شان نہیں جو اصلاح کے علمبردار ہوں۔ مجھے معلوم نہیں، مولوی فضل الدین صاحب کہاں ہیں ورنہ یہ موخر الذکر شکایت براہ راست

ان سے کرتا[۱۲]

علامہ سید سلیمان ندوی نے مولانا ابوالکلام آزاد کو علامہ اقبال کے اس خط کی اطلاع دی لیکن انھیں اپنے خط میں کیا تحریر کیا، اس کا علم اس لیے نہیں ہو سکا کہ وہ خط دستیاب نہیں ہے۔ البتہ مولانا آزاد نے جو جواب دیا اس کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"ڈاکٹر اقبال کا شکوہ بے جا نہیں۔ یہ نہایت ہی لغو اور سبک بات ہے کہ فلاں نے فلاں بات فلاں کے اثر سے لکھی اور فلاں کے خیال میں یوں تبدیلی ہوئی لیکن لوگوں کا پیمانۂ نظر یہی باتیں ہیں تو کیا کیا جائے۔ دراصل، اس کمبخت "تذکرہ" کی ساری باتیں میرے لیے تکلیف دہ ہوئیں۔ مسٹر فضل الدین نے یہ مقدمہ لکھ کر نظرِ ثانی کے لیے بھیجا تھا، میں نے واپس نہیں بھیجا۔ اس لیے کہ وہ موجودہ حالت میں کتاب۔ کو پہلا حصہ کر کے شائع کرنا چاہتے تھے اور میں مصر تھا کہ ایک ہی مرتبہ میں پوری کتاب شائع کر دی جائے۔ . . . .
. . . . علاوہ ڈاکٹر اقبال وغیرہ والے ٹکڑے کے پورا مقدمہ طرزِ تحریر و استدلال وغیرہ کے لحاظ سے بھی بالکل لغو ہے۔ لطف یہ کہ اس مرتبہ جب وہ جلسہ کے موقع پر آئے اور میں نے پوچھا کہ اقبال کی نسبت آپ نے کیونکر تبدیلی معلوم کی تو خود میرے ہی ایک قول کا حوالہ دیا، جو کبھی کہا تھا۔ حالانکہ میں نے جو بات کہی تھی وہ صرف یہ تھی کہ اقبال پہلے آج کل کے عامۃ الناس کے تصوف میں مبتلا تھے، اب ان کے خیالات اس طرف سے ہٹ گئے ہیں اور دونوں مثنویوں میں جو بات ظاہر کرنی چاہتے ہیں، وہ وہی ہے جو میں ہمیشہ لکھتا رہا ہوں"[۱۳]

یہ خطوط نئے نہیں ہیں نہ ہی نایاب ہیں۔ اقبال اور آزاد کے قدر دانوں کی نظروں سے ضرور گذرے ہوں گے۔ ان خطوط کے متعلق اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انھیں پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں یہ باتیں پیدا ہوئیں:

۱۔ مولانا آزاد نے یہ بات مولوی فضل الدین سے کیوں کہی کہ "اقبال دونوں

مثنویوں میں جو بات ظاہر کرنی چاہتے ہیں، وہ وہی ہے جو میں ہمیشہ لکھتا رہا ہوں"۔

۲۔ جب وہ اسے "نہایت لغو اور سبک بات" سمجھتے تھے تو تذکرہ میں ایسی تحریر رہنے کیوں دی؟ اور تشہیر کے لیے یا دل آزاری کیلیے کیوں چھوڑ دی؟

۳۔ کہیں یہ بات تو نہیں کہ مولانا آزاد علامہ اقبال کو اپنا حریف سمجھنے لگے تھے یا اُن کی شہرت سے خوفزدہ ہونے لگے تھے؟

اس کے بعد جب علامہ اقبال سے متعلق عبدالرزاق ملیح آبادی کا بیان کردہ ملک الشعراء سے متعلق یہ واقعہ نظر سے گزرا تو مجھے اپنے شکوک میں کچھ جان سی محسوس ہونے لگی:

"...... مصری شاعر احمد شوقی بادشاہ کو عرب ملکوں نے "امیر الشعراء" کا خطاب دیا تھا، اس پر مولانا کو خیال ہوا کہ ہندوستان میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کو ملک الشعراء بنا دیا جائے۔ ایک دن صبح مولانا ہاتھ میں کچھ کاغذ لیے میرے کمرے میں آئے اور اپنا خیال ظاہر کیا۔ میں نے سختی سے مخالفت کی۔ متعجب ہو کر فرمایا "کیا ڈاکٹر اقبال اس خطاب کے اہل نہیں ہیں؟" ــــ عرض کیا "ڈاکٹر صاحب کے شاعرانہ کمالات کے معترف آپ ہیں، مجھے شاعری سے ذوق نہیں لیکن ڈاکٹر صاحب محض شاعر ہی نہیں ہیں، سیاسی لیڈر بھی ہیں اور ہم ان کی سیاسیات کے مخالف ہیں۔ ملک الشعراء بن کر وہ سیاسی فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔"

مولانا سوچ میں پڑ گئے اور میں کہتا رہا:

"اخبار کے مالک آپ ہیں، آپ جو تجویز چاہیں پیش کر سکتے ہیں لیکن جب تک ایڈیٹر میں ہوں، اپنے ضمیر کے خلاف کسی تجویز کی حمایت نہیں کر سکتا۔ میرا نام ایڈیٹری سے الگ کر دیا جائے اس کے بعد بھی اخبار کی خدمت جاری رکھوں گا۔"

یہ سن کر مولانا نے ہاتھ کے کاغذ پھاڑ ڈالے اور فرمایا: "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمیں یہ تجویز پیش نہیں کرنا چاہیے۔"[illegible]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے، مولانا آزاد جیسا عزم وارادہ کا شخص، ملیح آبادی کے کمزور دلائل کے سامنے ہتھیار کیوں ڈال دیتا ہے؟ ایسی بات تو نہیں کہ ملیح آبادی مولانا کے دل میں علامہ اقبال کے خلاف خوف پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہاں شک وشبہ کی سرحدیں حقیقت کی حدوں کو چھوتی محسوس ہوتی ہیں۔

علامہ اقبال کے ایک دوسرے خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جس کی روشنی میں ایک اور سچائی تک پہنچنے میں آسانی ہوگی، علامہ اقبال عشرت رحمانی کو ۳۰۔ اگست ۱۹۲۱ء کو تحریر کرتے ہیں:

> "آپ کا حسنِ ظن میری نسبت بہت بڑھ گیا ہے، حقیقت میں، میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی نسبت دنیا نے شاعری سے کچھ بھی نہیں اور نہ کبھی میں نے Seriously اس طرف توجہ کی ہے۔ بہرحال آپ کی عنایت کا شکر گزار ہوں۔ باقی رہا یہ امر کہ موجودہ بیداری کا سہرا میرے سر پہ ہے یا ہونا چاہیے۔ اس کے متعلق کیا عرض کروں، مقصود تو بیداری سے تھا۔ اگر بیداریٔ ہندوستان کی تاریخ میں میرا نام تک بھی نہ آئے تو مجھے قطعاً اس کا ملال نہیں لیکن آپ کے ریمارکس سے مجھے بہت تعجب ہوا، کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس بات کا شاید کسی کو احساس نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے "تذکرہ" کا دیباچہ لکھنے والے بزرگ نے جن الفاظ میں محمد علی، شوکت علی اور میری طرف اشارہ کیا ہے، ان سے میرے اس خیال کو اور تقویت ہو گئی ہے لیکن اگر کسی کو بھی اس کا احساس نہ ہو تو مجھے اس کا رنج نہیں کیونکہ اس معاملہ میں خدا کے فضل وکرم سے بالکل بے غرض ہوں۔"[۵۵]

یہ اقتباس خود اقبال کے دل کے اس راز کو، کیا، فاش نہیں کر رہا ہے جو ان کی کامیابیوں کی وجہ سے ان کے دل میں اس احساس کی صورت میں پل رہا تھا کہ ہندوستان کو بیدار کرنے میں ان کا ہاتھ بھی ہے۔ شاید اسی احساس نے "تذکرہ" میں مولوی فضل الدین کی تحریر کے خلاف انہیں آواز اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔

علامہ اقبال کے چند خطوط کے بعض حصے، یہاں، اس لیے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ دونوں بزرگوں کے تعلقات کو سمجھنے میں مزید مدد مل سکے:

۱۴ ؍ نومبر ۱۹۲۳ء بنام سید محمد جعفری :

"منظور علی صاحب کے مذہبی عقاید کا حال سن کر مجھے تعجب نہیں ہوا کیونکہ Nationalism نے قریباً ہر ملک میں مذہب کو Displace کیا ہے لیکن الحمد للہ ان کے خیالات نے اس طرف پلٹا کھایا اور ان کو تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔ چند مصنفین کے نام میں اوپر لکھ چکا ہوں، میری رائے میں سید سلیمان ندوی اور مولانا ابو الکلام آزاد اس بارے میں مشورہ دے سکیں گے۔"[۱۹]

۸ ؍ اگست ۱۹۲۴ء۔ بنام علامہ سید سلیمان ندوی :

"حال میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی (کولمبیا) نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام "مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات" ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ اجماعِ امت نصِ قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے یعنی یہ کہ مثلاً مدتِ شیر خوارگی جو نصِ صریح کے رو سے دو سال ہے کم یا زیادہ ہو سکتی ہے یا حصصِ شرعی میراث میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بعض حنفا اور معتزلیوں کے نزدیک اجماعِ امت یہ اختیار رکھتا ہے مگر اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے؟ امرِ دیگر یہ ہے کہ آپ کی ذاتی رائے اس بارے میں کیا ہے؟ میں نے مولوی ابو الکلام صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے۔"[۲۰]

۷ ؍ اگست ۱۹۳۶ء۔ مکتوب بنام علامہ سید سلیمان ندوی :

"الحمد للہ کہ اب قادیانی فتنہ پنجاب میں رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے بھی دو تین بیان چھپوائے ہیں مگر حال کے روشن خیال علما کو ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اگر آپ کی صحت اجازت دے تو آپ بھی اس پہ جامع اور نافع بیان شائع فرمائیے۔"[۲۱]

ان خطوط کے مطالعے سے یہ بات یقیناً واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال اور مولانا آزاد کے درمیان خطوط کا سلسلہ اقبال کی آخری عمر تک جاری رہا۔ دونوں ایک دوسرے کی دل سے قدر کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved

علمی صلاحیتوں کے معترف تھے اور ایک دوسرے کی شہرت سے متاثر بھی ہوتے رہے تھے۔ اب تک دونوں کے خطوط ایک دوسرے کے نام دستیاب نہیں ہو سکے ہیں، اس لیے اس بات کا تفصیل کے ساتھ اندازہ نہیں ہوتا کہ دونوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا تھی!

مولانا آزاد کی اس خوبی کا بھی ہمیشہ چرچا رہا ہے کہ انہیں اردو، فارسی اور عربی کے مختلف شعراء کے ہزار ہا اشعار یاد تھے جنہیں وہ تقریر و تحریر میں برجستہ اور برمحل استعمال کیا کرتے تھے لیکن یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ان کے یہاں علامہ اقبال کے اردو اشعار کا استعمال کہیں نہیں ہے البتہ ان کا فارسی کا ایک شعر غبار خاطر کے "چڑیا چڑے کی کہانی" میں اس طرح سے درج ہے:

"بہت کیا تو کبھی کبھار ایک ہلکی سی ناتمام "چوں" کی آواز نکال دی اور اس ناتمام چوں کا بھی انداز لفظ و سخن کا سا نہیں ہوتا، بلکہ ایک ایسی آواز ہوتی ہے جیسے کوئی آدمی سر جھکائے اپنی حالت میں گم پڑا رہتا ہو اور کبھی کبھی سر اٹھا کے "ہا" کر دیتا ہو:

"تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند[۵۱]

یہاں یہ بات بھی کہتا چلوں کہ ابھی یہ سوچنے کی گنجائش ہے کہ کیا آزاد نے اتفاقاً یا دانستہ اقبال کے شعر کے استعمال سے گریز کیا ہے؟

علامہ اقبال کا انتقال ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں ہوا تو مولانا آزاد نے اپنے غمزدہ دل کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"یہ خیال کرتے ہوئے کس قدر صدمہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اس جہان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ ہندوستان آپ سے بڑا اردو شاعر پیدا نہیں کر سکا۔ آپ کی وفات سے نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرق کو نقصان عظیم پہنچا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس لیے زیادہ صدمہ ہے کہ ہم کم سے میرے دوستانہ تعلقات تھے[۵۲]"

علامہ اقبال کی وفات کے چار دن بعد آزاد نے مولوی محی الدین احمد قصوری کو خط لکھا تو ایک بار پھر ان کے دل کا غم ان کی تحریر میں اس طرح جھلک پڑتا ہے:

"اقبال کی موت سے نہایت قلق ہوا:

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں [۴۱]

لیکن اس کے بعد مولانا کی کسی تحریر میں اقبال سے متعلق کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں ملتا۔ ممکن ہے ۱۹۳۸ء کے بعد چونکہ جنگِ آزادی کے اختتام تک پہنچنے کی منزل قریب آرہی تھی اور ہندوستانی سیاست کی گرماگرمی میں شدت پیدا ہو چلی تھی جس نے مولانا آزاد کو ادھر ادھر متوجہ ہونے یا سیاست سے ہٹ کر کچھ اور سوچنے کا موقع ہی نہ دیا ہو اور یہ بھی سچ ہے کہ اسی دوران میں مولانا کو دو مرتبہ قید و بند کی صعوبتوں سے بھی گزرنا پڑا تھا جس میں آخری بار ۹۔ اگست ۱۹۴۲ء سے جون ۱۹۴۵ء تک کی طویل مدت انہیں قیدی بن کر رہنا پڑا تھا، ان ہنگاموں اور پابندیوں نے انہیں اقبال کی طرف متوجہ ہونے کا شاید موقع ہی نہ دیا ہو لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ علامہ اقبال جب اپنی عمر کے آخری حصے میں ۱۰ جنوری ۱۹۳۴ء کو، گلا بیٹھ جانے کی وجہ سے طویل علالت سے دوچار ہوئے اور جس کا اختتام ان کی موت پر ہی ہوا، اس وقت بھی مولانا نے اپنے کسی خط میں یا کسی تحریر میں اقبال کی بیماری کے متعلق کسی قسم کی تشویش یا فکرمندی کا اظہار نہیں کیا۔ بلاشبہ۔ اس کے جواب میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مولانا کا اپنا ایک خاص مزاج تھا۔ وہ محتاط زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ پھر سیاسی مجبوریاں بھی ہوتی ہیں اس لیے ممکن ہے کہ اقبال کے متعلق خط میں کچھ لکھنے یا اقبال کو خط لکھنے سے پرہیز کرتے ہوں — ابھی اس کا بھی احتمال ہے کہ مولانا کے ایسے خطوط جو اقبال کو لکھے گئے ہیں یا جن میں اقبال کا تذکرہ ہے، ضائع ہو گئے ہوں۔ یا اب تک نظروں سے اوجھل ہوں اور مل جانے پر عجب نہیں دونوں کے رشتوں کی سچائیاں ہمیں ایک بار پھر ایک خاص تحیّر میں مبتلا کر دیں — اور یہی صورت اقبال کے خطوط بنام آزاد کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

کتابیات:

۱۔ خطباتِ آزاد : ابوالکلام آزاد (مرتبہ مالک رام) ساہتیہ اکادمی نئی دہلی۔ بار اوّل ۱۹۷۴ء

۲۔ اقبال نامہ، حصہ اوّل : مرتبہ شیخ عطاء اللہ۔ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

۳۔ سیرتِ اقبال : مولوی محمد طاہر فاروقی ایم اے۔ ہمالیہ بک ہاؤس، چاندنی چوک دہلی۔ فروری ۱۹۷۴ء

۴۔ لسان الصدق (ماہنامہ کلکتہ) مئی ۱۹۰۴ء۔ مدیر محی الدین احمد ابوالکلام آزاد۔ مرتبہ عبدالقوی دسنوی۔

۵۔ تذکرہ : ابوالکلام آزاد (مرتبہ مالک رام) ساہتیہ اکادمی نئی دہلی، بار دوم ۱۹۸۱ء

۶۔ مکاتیب ابوالکلام : ادبستان لاہور۔ بار اوّل

۷۔ خطوطِ اقبال : مرتبہ رفیع الدین ہاشمی۔ مکتبہ خیابانِ ادب لاہور۔ بار اوّل ۱۹۷۶ء

۸۔ غبارِ خاطر : ابوالکلام آزاد (مرتبہ مالک رام) ساہتیہ اکادمی۔ نئی دہلی۔ بار دوم ۱۹۸۳ء

۹۔ مکاتیبِ ابوالکلام آزاد : مرتبہ ابو سلمان شاہجہانپوری۔ اردو اکیڈمی، سندھ فروری ۱۹۶۸ء

۱۰۔ تبرکاتِ آزاد : مرتبہ غلام رسول مہر۔ ادبی دنیا، اردو بازار دہلی۔ بار اوّل ستمبر ۱۹۶۲ء

۱۱۔ ذکرِ آزاد : ملیح آبادی۔ دفتر آزاد ہند۔ ساگر دت لین کلکتہ۔ فروری ۱۹۶۰ء

۱۲۔ اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام : محمد حنیف شاہد۔ کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور بار اوّل ۱۹۷۶ء

۱۳۔ نقوشِ ابوالکلام آزاد : مرتبہ محمد یونس خالدی : مولانا آزاد میمو... ریل اکادمی لکھنؤ فروری ۱۹۷۸ء

Iqbal CyberLibrary.Net All rights reserved ©2002-2006

۱۴۔ اقبالیات کا تنقیدی جائزہ : قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی : اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۵ء
۱۵۔ اقبال کے آخری دو سال: ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی۔ اقبال اکادمی کراچی۔ اپریل ۱۹۶۱ء
۱۶۔ آئینہ ابوالکلام آزاد : مرتبہ عتیق صدیقی : انجمن ترقی اردو ہند شاخ دہلی۔ بار اول ۱۹۷۶ء
۱۷۔ اقبال نمبر ۲: نقوش لاہور۔ مدیر محمد طفیل۔ دسمبر ۱۹۷۷ء۔ ادارہ فروغ اردو لاہور
۱۸۔ ابوالکلام آزاد: شورش کاشمیری: مطبوعہ چٹان لاہور۔ فروری ۱۹۸۸ء
۱۹۔ میر کارواں، مولانا ابوالکلام آزاد: ریاض الرحمٰن خاں شیروانی۔ ادارہ تحقیقات افکار تحریکات ملی۔ کراچی ۱۹۸۸ء

۲۰۔ Abul Kalam Azad: Ian Henderso Doughlas

Oxford University Press.

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

MAAS Journal of

ISLAMIC SCIENCE

A UNIQUE — BI-ANNUAL — PUBLICATION

SPECIAL DISCOUNT FOR FOREIGN SUBSCRIBERS

40% OFF THE REGULAR RATE TO:

- Private & Religious Institutions and Organisations.
- Educational Centres and Libraries.

— 25% OFF THE REGULAR RATE TO:

- Students

PUBLISHING SINCE: 1985 1405H.

FREQUENCY : Biannual

PAGES: 128

SIZE: 17.5cm x 26 cm

SUBSCRIPTION RATES

Group of Countries	Individuals 1-Yr.	2-Yrs.	3-Yrs.	Institutions 1-Yr	2 Yrs.	3-Yrs.
HIG	US$ 12 (20)	US$ 22 (38)	US$ 30 (54)	US$ 50 (60)	US$ 90 (110)	US$ 130 (160)
MIG	10 (18)	18 (34)	24 (48)	40 (50)	70 (90)	100 (130)
LIG	08 (16)	14 (30)	18 (42)	30 (40)	50 (70)	70 (100)
INDIA	Rs. 60/-	Rs. 110/-	Rs. 160/-	Rs. 100/-	Rs. 190/-	Rs. 280

Rates subject to change

Figures within Parantheses indicate AIR MAIL charges and without parantheses SURFACE MAIL charges.

High Income Group (HIG):	U.S.A., Canada, West European countries, Japan, Saudi Arabia, Kuwait, U.A.E., South Africa, Libya, etc.
Middle Income Group (MIG):	East European Nations, Nigeria, Iraq, Jordon, Egypt, Syria, Malaysia, Indonesia, Turkey, Iran, etc.
Low Income Group (LIG):	Bangladesh, Sri Lanka, Pakistan, Sudan, etc.

PLACE ORDERS TO YOUR LOCAL DISTRIBUTORS OR WRITE DIRECTLY TO:

CIRCULATION DEPARTMENT,
THE MUSLIM ASSOCIATION FOR THE ADVANCEMENT OF SCIENCE,
FARIDI HOUSE, SIR SYED NAGAR,
ALIGARH-202 001 (INDIA)

BACK ISSUES AVAILABLE ON PAYMENT.
RATES MAY BE QUOTED ON INQUIRY.

All rights reserved
©2002-2006